© rasailojaraid.com

قرآن کا نظم
اس کا ایک معجزہ

ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی

قرآن پاک کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ دنیا کی بہترین ادبی کتاب ہے، اس کا اسلوب بالکل جدا اور نرالا ہے جسے آسمانی ادب یا الہامی ادب کا نام دیا جاسکتا ہے، قرآن کے ادب وبلاغت کا اصل کمال یہ ہے کہ کلام کرنے والا خدائے قدوس ہے اور حرف مدعا اسی ذات کی طرف سے صادر ہوا ہے مگر انداز کلام وہ ہے جو انسان کے ذوقِ ادب، احساسِ جمال اور معیارِ لطافت کے لحاظ سے ایسی بلندیوں کو چھو رہا ہے جس کی کوئی دوسری مثال نہیں، الفاظ اور اصطلاحات وہی ہیں جو ادب عربی میں مستعمل ہیں، تشبیہیں اور استعارے جانے پہچانے ماحول سے لیے گئے ہیں، فصاحت وبلاغت کے وہی اصول برتے گئے ہیں جن کو دنیائے ادب نے تسلیم کیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود قرآن اپنی ادبی خوبیوں کے لحاظ سے بالکل منفرد اور یکتا ہے۔

قرآن اگرچہ اصلاً ایک کتاب اور نوشتہ ہے، مگر اس میں لطفِ خطابت بھی شامل ہے جو اسے دوہرا حسن بخشتا ہے اور اس میں ذہنی نفوذ اور دل میں سرایت کر جانے کی کیفیت بڑھا دیتا ہے پھر اسی مناسبت سے اس کی ایک شان تصریف و تکرار ہے یعنی ایک ہی مضمون کو سو رنگ سے باندھا جاتا ہے، تصریف و تکرار میں اگر یکسانی ہو تو کلام دلنشیں ہونے کے بجائے اکتاہٹ پیدا کر دیتا ہے، مگر قرآن کا کوئی مقام بھی ایسا نہیں ہے جہاں قاری اکتاہٹ محسوس کرے، کہیں بات اجمال میں چھوڑ دی گئی ہے، کہیں اجمال کے کیسۂ گہر کے تسمے کھول کر موتی بکھیر دئے گئے ہیں، کہیں ذہن کو حرکت دینے کے لیے محض ہلکے سے اشارہ سے کام لیا گیا ہے، کہیں واشگاف انداز میں تہدید کی گئی ہے، اور کہیں تمثیل و استعارہ سے، کہیں چھوٹے چھوٹے جملوں اور ہلکے پھلکے الفاظ میں معانی کی جوئے شیر بہائی گئی ہے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہیں پرزور الفاظ اور پرشکوہ جملوں کی صورت میں حرف مدعا ایک طوفانی ریلا بن جاتا ہے، جو جلد پتھروں کو ان کی جگہ سے اکھیڑ کر بہا لے جاتا ہے[10] کہیں نصیحت ہے کہ نکہت گل کی مانند غیر محسوس سا اثر ڈالتی ہے، کہیں زجر و توبیخ ہے کہ تیغ براں کی مانند کاٹ کر جاتی ہے، کہیں اپیل ہے، دلسوزی کے ساتھ اور کہیں تنقید ہے دردمندی کے ساتھ، پھر بار بار عبارت کا مزاج اور قوافی کا نظام بدلتا ہے، ترنم کے پیرائے بدلتے ہیں اور اس تبدیلی سے ذوق کی لطیف سطح پر خوشگوار اثرات اور نقوش ثبت ہوتے ہیں۔

قرآنی ادب میں اگرچہ سارا استدلال عقلی ہے، مگر جذبات کی قوت محرکہ کو کہیں بھی نظرانداز نہیں کیا گیا ہے، عقلِ محض بے جان تفلسف اور جامد تصورات کی طرف لے جاتی ہے، عملی انسان بنانے اور تاریخ کو حرکت میں رکھنے کے لیے جذبہ کی قوت ناگزیر ہے۔ عقل اور جذبہ دونوں کے امتزاج ہی سے وہ کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ جسے ایمان کہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ قرآن کے اسلوب پر خطابت کا غلبہ ہے، پھر یہ خطابت بھی ایک پروفیسر کے لیکچروں کی سی نہیں بلکہ ایک داعی کے خطبوں کی سی ہے جس میں دل اور دماغ، عقل اور جذبات سب سے یکساں اپیل ہوتی ہے[11] قرآن میں آپ دیکھیں گے کہ رلا دینے والی، عزم و یقین ابھارنے والی، جوش میں لانے والی، آمادۂ پیکار کرنے والی اور ایثار کی اسپرٹ پیدا کرنے والی آیات کی رنگارنگ کیاریاں جابجا پھیلی ہوئی ہیں جن سے انسانی فطرت کا ہر گوشہ اثر لیتا ہے اور انسانی نفسیات کا ہر شعبہ ان سے زندگی پاتا ہے۔ تمام کے تمام جذبات و حسیات اس کتاب کے مطالعہ سے حرکت میں آجاتے ہیں اور ایک ہی نصب العین کے گرد مجتمع ہو جاتے ہیں[12]

لیکن سب سے اہم بات یہ ہے کہ قرآن از اول تا آخر ایک منظم و مربوط کلام ہے جس طرح ایک سپہ سالار اپنی فوج کو مختلف ڈھنگ سے تربیت دیتا ہے، اسی طرح قرآن میں بھی ایک ہی بات مختلف طریقوں سے کہی جاتی ہے، قرآن میں ایک چیز کبھی عمود کی حیثیت سے آتی ہے، کبھی ضمنی مضمون کی حیثیت سے، کبھی وہی چیز اجمال کے ساتھ آتی ہے، کبھی تفصیل کے ساتھ، کبھی ایک چیز موخر اور کبھی مقدم ہوتی ہے، کبھی تنہا ہوتی ہے اور کبھی مقابل کے ساتھ، کبھی ایک چیز کے ساتھ اس کا جوڑ ہوتا ہے کبھی دوسری چیز کے ساتھ، بالکل یکساں مضمون مختلف سورتوں میں مختلف زاویوں سے سامنے آتا ہے، ظاہر ہے کہ جب ایک ہی شئی مختلف پہلوؤں سے جلوہ گر ہوگی تو اس کو ٹھیک سمجھ لینے اور پوری طرح پہچان لینے میں دقت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ ہوگی، اگر ایک ادا نگاہ سے چوک گئی، دوسرا جلوہ سامنے آجائے گا قرآن مجید کی اس صفت کو ان لفظوں میں بیان کیا گیا ہے۔

كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ [۴] — اسی طرح ہم پھیر پھیر کر اپنی آیات بیان کرتے ہیں تاکہ لوگ سمجھیں۔

نظم قرآن سے متعلق نقاط نظر

پہلا نقطۂ نظر: نظم قرآن کے سلسلے میں مفسرین کے تین مکاتیب ہیں اور ان تینوں میں کافی فرق موجود ہے۔ اس مکتب فکر کی نمائندگی شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلام (م ۶۶۰ھ) اور علامہ شوکانی جیسے اکابر علم کرتے ہیں ان حضرات کے نزدیک قرآن مجید ایک غیر مربوط اور منتشر کلام ہے اس لیے کہ وہ وقفہ وقفہ سے مختلف حالات میں نازل ہوا ہے اور ظاہر ہے کہ جو مجموعہ اس طرح تیار ہوگا اس میں کسی نظم و ترتیب کی گنجائش نہیں ہو سکتی۔

چنانچہ شیخ الاسلام لکھتے ہیں کہ "قرآن مجید بیس سال سے زیادہ لمبی مدت میں مختلف حالات کے اندر گوناگوں احکام لے کر نازل ہوا ہے اس لیے جو چیز اس طرح نازل ہوئی ہو اس میں کسی قسم کا ربط و نظم تلاش کرنا بے سود ہے" [۵]

علامہ شوکانی اپنی تفسیر فتح القدیر میں لکھتے ہیں کہ:

"تفسیر قرآن کے سلسلے میں بعض مفسرین نے ایک انوکھا اور نیا علم ایجاد کیا ہے جو نہ صرف غیر ضروری بے سود اور لاحاصل ہے بلکہ اس کا تعلق ان امور سے ہے جن پر گفتگو کرنے کی ممانعت آئی ہے، یعنی انھوں نے قرآن کریم کی موجودہ آیتوں اور سورتوں میں مناسبت اور ربط بیان کرنے کی کوشش کی ہے جو تمام تر تکلفات پر مبنی ہے اور علانیہ قرآن کے ساتھ ناانصافی ہے" [۶]

لیکن ظاہر ہے کہ اس نقطۂ نظر کو کسی طرح بھی قبول نہیں کیا جا سکتا، یہ بات کسی طرح عقل میں نہیں آتی کہ ایک ایسی کتاب جو انسانی زندگی میں ہمہ جہتی انقلاب پیدا کرنے کے لیے آئی ہو اور جس کی اولین مخاطب وہ قوم ہو جو فصاحت و بلاغت میں اپنے سوا دوسری قوموں کو عجمی کہتی ہو وہ صرف چند منتشر احکام اور بکھرے ہوئے قوانین کا مجموعہ ہو، کیا عربوں کے اندر یہ انقلاب جس نے انھیں زمین کی پستیوں سے اٹھا کر آسمان کی وسعتوں تک پہونچا دیا، بغیر دلوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی دنیا بدلے آگیا تھا ؟ اور کیا دنوں کا یہ انقلاب چند منتشر اور غیر مربوط احکام کے ذریعہ ممکن ہے۔

دوسرا نقطۂ نظر: دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ قرآن مجید ایک منظم اور مربوط کلام ہے، اس کی موجودہ ترتیب اپنے اندر نہایت ہی حکیمانہ مناسبت اور قابل قدر موزونیت رکھتی ہے، اس مکتب فکر کے حامیوں میں علامہ ابوبکر نیشاپوریؒ (م ۳۲۲ھ) بھی ہیں جن کے متعلق علامہ سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) نے لکھا ہے کہ:

سب سے پہلے جس شخص نے علم مناسبت کو ظاہر کیا وہ ابوبکر نیشاپوری ہیں۔[۷] امام فخر الدین رازیؒ (م ۶۰۶ھ) اپنی مشہور تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ:

"قرآن کی حکمتوں کا بڑا حصہ اس کے نظم و ترتیب میں پوشیدہ ہے"[۸] وہ آیت وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا أَعْجَمِيًّا لَقَالُوا (حم السجدہ: ۴۴) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت ان لوگوں کے جواب میں اتری ہے جو ازراہِ شرارت یہ کہتے تھے کہ اگر قرآن مجید کسی عجمی زبان میں آتارا جاتا تو بہتر ہوتا، لیکن اس طرح کی باتیں کہنا میرے نزدیک کتاب الٰہی پر سخت ظلم ہے، اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ قرآن مجید کی آیتوں میں باہم دگر کوئی ربط و تعلق ہی نہیں ہے، حالانکہ یہ قرآن حکیم پر بہت بڑا اعتراض کرنا ہے، ایسی صورت میں قرآن کو معجزہ ماننا تو الگ رہا اس کو ایک مرتب کتاب کہنا بھی مشکل ہے۔[۹]

قاضی ابوبکر بن عربی (م ۵۴۳ھ) اپنی کتاب "سراج المریدین" میں کہتے ہیں کہ:

"آیات قرآنی کے باہم تعلق کو اس طرح سمجھنا کہ وہ ایک مسلسل اور مربوط کلام کے قالب میں ڈھل جائیں، ایک عظیم الشان علم ہے"۔[۱۰]

علامہ مخدوم مہائمیؒ (م ۸۳۵ھ) اپنی تفسیر "تبصیر الرحمٰن و تیسیر المنان" کے مقدمہ میں نظم پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"یہ نظم ہی کی برکت ہے کہ میں اس کی روشنی میں ایسے نادر نکتے جمع کر سکا جن کو مجھ سے پہلے کسی جن و انس نے ہاتھ نہیں لگایا تھا"۔[۱۱]

علامہ ولی الدین ملویؒ نظم قرآن کے متعلق فرماتے ہیں:

"جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید کی آیتوں میں نظم و ربط اس لیے تلاش نہیں کرنا چاہیے کہ وہ مختلف وقتوں میں مختلف حالات کے تحت نازل ہوئی ہیں، وہ غلط کہتے ہیں، صحیح بات یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیتیں نزول کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اعتبار سے بلاشبہ مختلف واقعات سے جو مختلف زمانوں میں واقع ہوئے ہیں، متعلق ہیں لیکن اپنی موجودہ ترتیب کے لحاظ سے وہ بالکل مطابق حکمت ہیں۔[۱۲]

علامہ ابوجعفر بن زبیر شیخ ابوحیان (م ۷۰۸ھ) نے اپنی کتاب "البرہان فی ترتیب سور القرآن" میں قرآن مجید کی سورتوں کی موجودہ ترتیب میں جو مناسبت ہے، اس پر روشنی ڈالی ہے اور علامہ برہان الدین بقاعی (م ۸۸۵ھ) کی "نظم الدرر فی تناسب الآی والسور"[۱۳] علامہ سیوطیؒ کی "تناسق الدرر فی تناسب السور"[۱۴] کا موضوع بھی قرآن کی آیتوں اور سورتوں میں نظم اور مناسبت کا بیان ہے۔

اس سلسلہ کی ایک اور قابل ذکر کتاب شیخ منور بن عبدالحمید لاہوری (م ۱۰۱۱ھ) کی "الدر النظیم" ہے جس میں قرآن کی آیتوں اور سورتوں کے اندر ترتیب و مناسبت کو بیان کیا گیا ہے مصنف نے اپنی یہ کتاب قلعۂ گوالیار کے قید خانہ میں تصنیف کی تھی۔[۱۵]

مولانا اشرف علی تھانویؒ (م ۱۳۶۲ھ) نے بھی مناسبت فی الآیات کے موضوع پر "سبق الغایات فی نسق الآیات" نامی ایک کتاب تصنیف کی اور اپنی تفسیر بیان القرآن میں جا بجا آیات کے اندر ربط بتانے کا التزام فرمایا۔

یہ دوسرا نقطۂ نظر پہلے نقطۂ نظر کی عین ضد ہے۔ لیکن اس کے حامیوں نے قرآن پاک میں نظم و ترتیب کے متعلق جن حقائق کا انکشاف کیا ہے وہ بیشتر علمی لطائف اور ادبی نکتوں پر مشتمل ہیں، ان کا تعلق فہم قرآن پاک سے کم محسوس ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر حضرت تھانویؒ نے سورۂ بقرہ میں جہاں سے سود کا بیان شروع ہوتا ہے آیات ربوا کا تعلق اس سے پہلے کی آیتوں سے یوں بیان فرمایا ہے:

> "تفصیل مضامین انفاق سے پہلے منجملہ ابواب البر کے تینتیس[۱۶] حکموں کا بیان ہوا ہے۔ بعض احکام کا یہاں سے بیان ہوتا ہے اور ان بقیہ احکام کا ارتباط مضمون انفاق کے ساتھ اس سے اور زیادہ ہو گیا کہ سب احکام مثل انفاق کے مال ہی کے ساتھ متعلق ہیں، چنانچہ ربوا ظاہر ہے کہ مال سے متعلق ہے۔"[۱۷]

گویا حضرت کے نزدیک انفاق کے بعد سود کا بیان اس وجہ سے ہوا کہ دونوں کا تعلق مال سے ہے، انفاق اور سود میں یہ ربط جو حضرت نے بیان فرمایا ہے اس پر دل مطمئن نہیں ہوتا ہے۔ اس لیے اس پر ذرا ٹھہر کر غور کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

سورۂ بقرہ میں سود سے پہلے انفاق کا تفصیلی تذکرہ موجود ہے چنانچہ آیت ۲۵۴

۲۰۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے ۲۷۴ تک مختلف پہلوؤں سے مسلمانوں کو انفاق پر ابھارا گیا ہے، اس کے بعد آیت ۲۷۴ سے سود کا بیان شروع ہوا ہے اور اس کا سلسلہ ۲۸۱ تک چلا گیا ہے۔

اسی طرح سورۂ آل عمران میں آیت ۹۲ سے لے کر آیت ۲۹ آتک کہیں مثبت اور کہیں منفی پہلو سے انفاق کی دعوت دی گئی ہے اور آخر میں سود نہ لینے کی صراحتاً تاکید کی گئی ہے۔

یہی حال سورۂ روم میں بھی ہے، اس میں آیت ۳۹ میں سود کا ذکر ہے اور اس کے ساتھ ہی صدقہ و احسان کا تذکرہ بھی موجود ہے۔

قرآن کے اس نظم پر غور کرنے سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ انفاق اور سود میں نسبت ضدین کی ہے اور فطرت کا اصول یہ ہے کہ کسی شئ کی حقیقت اس وقت تک اچھی طرح واضح نہیں ہوتی جب تک اس کے ساتھ اس کے ضد کا بھی بیان نہ ہو، اسی اصول کی بنا پر قرآن نے اکثر چیزوں کے بیان میں یہ طریقہ ملحوظ رکھا ہے کہ ضدین کا ذکر ساتھ ساتھ کیا ہے۔ مثلاً اہل ایمان کا بیان ہے تو اس کے ساتھ اہل کفر کا بھی بیان ہوا ہے۔ جنت کا ذکر آیا ہے تو ساتھ ہی دوزخ کا بھی ذکر ہوا ہے، یہاں تک کہ یہ چیز قرآن کے نظم کی ایک خصوصیت بن گئی ہے، اسی اصول کی بنا پر قرآن نے انفاق کے ساتھ اکثر یا تو بخل کا ذکر کیا ہے یا سود خواری کا۔ مقصود یہ ہے کہ ایک کی تاریکی دوسرے کی روشنی کو اور ایک کا جمال دوسرے کی بدصورتی کو بے نقاب کر سکے۔ چنانچہ انفاق کا محرک بلند ہمتی، ہمدردی، فیاضی، ایثار اور رحمدلی ہے اور سود کا محرک بزدلی، خود غرضی، سنگ دلی اور دوسروں کی مشکلات سے فائدہ اٹھانے کی خواہش ہے۔ انفاق ضرورت مندوں کو سہارا دینا چاہتا ہے اور سود گرے ہوئے لوگوں کا خون چوسنا چاہتا ہے۔ اس لیے انسانوں کو اس کاروباری اور دنیا پرستی کی ذہنیت سے دور رہنا چاہیے، اس سے معاشرہ تباہی و بربادی کے کھڈ میں جا گرتا ہے۔

اس دوسرے طبقے کے سرخیل امام رازی ہیں، علم و فضل میں آپ کا مرتبہ سب کے نزدیک مسلّم ہے۔ قرآن کے نظم و ترتیب کے سلسلے میں آپ کے خیالات اوپر گذر چکے ہیں، لیکن اس کے باوجود سورۂ بقرہ کی آیت حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطی (۲۳۸) کا جو نظم ماقبل سے قائم کیا ہے وہ ملاحظہ فرمائیے، لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے پچھلی آیتوں میں مسلمانوں کو متعدد دینی احکام دینے کے بعد اس آیت میں نماز کا ذکر تین وجوہ سے کیا ہے، ایک یہ کہ نماز میں چونکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قراءت، قیام، رکوع اور سجود پایا جاتا ہے اور معلوم ہے کہ یہ چیزیں آدمی کے اندر خاکساری اور انکساری پیدا کرتی ہیں جو تسلیم و رضا اور اطاعت کے لیے ضروری ہے، اس لیے نماز کا حکم دیا گیا تاکہ ان احکام کی تعمیل نماز کی برکت سے سہل ہو جائے جیسا کہ ایک دوسری جگہ اللہ نے فرمایا ہے "ان الصلوٰۃ تنہٰی عن الفحشاء والمنکر" (نماز بے حیائی اور برائی کے کاموں سے روکتی ہے) دوسرے یہ کہ نماز بندے کے دل میں خدا کی ربوبیت کا جلال اور عظمت ابھار کر اس کے اندر تسلیم و رضا کی ایسی عادت پیدا کر دیتی ہے جس سے اطاعت و فرمانبرداری کی راہ آسان ہو جاتی ہے جیسا کہ فرمایا "استعینوا بالصبر والصلوٰۃ" یعنی صبر اور نماز سے مدد لو، تیسرے یہ کہ اس سے پہلے نکاح و طلاق کے جو دوسرے احکام بیان ہوئے ہیں وہ دنیوی تھے اور اس آیت میں ایک خاص اخروی حکم یعنی نماز کی تعلیم دی گئی ہے۔[۱۷]

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بھی تقریباً یہی نظم بیان کیا ہے۔ البتہ گفتگو کا انداز بدل دیا ہے، فرماتے ہیں:

> "اس آیت کے آگے پیچھے طلاق وغیرہ کے احکام ہیں، درمیان میں نماز کے احکام بیان فرمانے کا اشارہ اس طرف ہے کہ مقصود اصلی توجہ الی الحق ہے اور معاشرت و اخلاق کے احکام سے علاوہ اور مصلحتوں کے، اس توجہ کی حفاظت اور ترقی بھی مقصود ہے، چنانچہ جب ان پر خدائی احکام سمجھ کر عمل کیا جاوے گا تو توجہ لازم ہو گی پھر یہ کہ ان احکام میں اول حقوق عباد بھی ہیں اور حقوق عباد کے اتلاف سے درگاہ الٰہی سے دوری ہوتی ہے، جس کے لوازم میں سے حق و عبد دونوں کی طرف سے توجہی ہے، چونکہ نماز میں یہ توجہ زیادہ ظاہر ہے، اس کے درمیان میں لانے سے اس توجہ کے مقصود ہونے پر زیادہ دلالت ہو گئی تاکہ عبد اس توجہ کو ہر وقت پیش نظر رکھے۔[۱۸]

ان دونوں بزرگوں نے اس آیت کے نظم کی جو شکلیں بیان کی ہیں وہ سیاق و سباق اور نظم کلام سے زیادہ میل نہیں کھاتیں۔[۱۹] قرآن کے اسلوب پر جن حضرات کی نظر ہے وہ اس حقیقت کو خوب سمجھتے ہیں کہ قرآن میں جہاں کہیں احکام کا تذکرہ ہوا ہے اس کا آغاز توحید یا نماز کے ذکر سے ہوا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دین میں اصل حیثیت انہی دونوں چیزوں کو حاصل ہے اسی لیے نماز کو عماد الدین کہا گیا ہے، ساری شریعت کا قیام و بقا اسی کے قیام د

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بقاء پر منحصر ہے، اللہ نے اس کو شریعت کی اقامت اور اس کی حفاظت کے لیے ایک حصار اور باڑھ کی حیثیت دی ہے۔ جو شخص اس کی حفاظت کرتا ہے گویا پوری شریعت کی حفاظت کرتا ہے اور جو اسے ضائع کرتا ہے وہ پورے دین کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ پھر ان مقامات پر غور کرنے سے دوسری بات یہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ سلسلۂ کلام کے خاتمہ پر عموماً وہی بات کہی جاتی ہے جو آغاز میں کہی گئی تھی، گویا یہ دونوں چیزیں دین کے لیے بمنزلۂ حصار اور شہر پناہ ہیں جو اس کو چاروں طرف سے اپنی حفاظت میں لیے ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر سورۂ بنی اسرائیل آیت ۲۲ سے ۳۹ تک مطالعہ کر لیجیے، جن کی ابتدا توحید کی تلقین اور شرک سے اجتناب کے حکم سے ہوتی ہے اور بیچ میں دین کی بنیادی اخلاقیات بیان ہوتی ہیں اور پھر آخر میں شرک سے دور رہنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ اسی طرح سورۂ مومنون کی آیات ۱-۹ کا مطالعہ بھی مفید ہوگا، ان آیات میں مومنین کی صفات بیان کی گئی ہیں جن کی ابتدا نماز سے ہوتی ہے اور پھر مختلف صفات کا تذکرہ کرنے کے بعد پھر اسی صفت کا اعادہ کیا گیا کہ "اور جو اپنی نمازوں کی محافظت کرتے ہیں"۔ بالکل یہی نظم سورۂ معارج کی آیات ۱۹-۳۴ میں ہے۔ نماز ہی سے آغاز اور نماز ہی پر اختتام ہے، جس طرح ایک شہر پناہ پورے شہر کو اپنی حفاظت میں لیے ہوئے ہوتی ہے اسی طرح نماز دوسری تمام نیکیوں کو اپنی حفاظت میں لیے ہوئے ہے۔

قرآن کے اسی اسلوب کی روشنی میں جب ہم غور کرتے ہیں تو ہمیں صاف نظر آتا ہے کہ یہ آیت زیر بحث دراصل اسی سلسلۂ کلام سے وابستہ ہے جس کی ابتدا "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ" یعنی نماز سے ہوئی تھی اور بیچ میں بہت سے تمدنی و معاشرتی احکام بیان کرنے کے بعد پھر نماز ہی کے ذکر پر اس سلسلہ کو ختم کیا گیا ہے، اس کے بعد کی دو آیات خاتمۂ باب کے ساتھ ملحق کر دی گئی ہیں تاکہ کلام میں ان کی ترتیب سے واضح ہو جائے کہ یہ آیات اصل احکام کے بعد بطور وضاحت نازل ہوئی ہیں۔ چنانچہ ان کے ساتھ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ کا ٹکڑا لگا کر ان کے توضیحی آیات ہونے کی طرف اشارہ بھی فرما دیا تاکہ نظم کلام کے طالب کو ربط و ترتیب کے سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔[41]

شیخ مبارک بن خضر ناگوری نے (م ۱۰۰۱ھ) اپنی تفسیر "منبع عیون المعانی و مطلع شموس المثانی"[42] میں سورۂ والضحیٰ کا ماقبل سورہ واللیل سے جو ربط بیان کیا ہے، وہ بڑا عجیب ہے، فرماتے ہیں کہ "سورہ واللیل میں حضرت ابوبکرؓ کی مدح ہے اور سورہ والضحیٰ میں رسول اللہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی نعت ہے"[۲۲] گویا ایک سورہ مدحیہ ہے اور دوسری سورہ نعتیہ اور دونوں کا ربط بالکل واضح ہے۔ بتائیے کیا یہ عجیب وغریب ربط قرآن مبین جیسی عظیم کتاب کے شایانِ شان ہے؟

اصل معاملہ یہ ہے کہ دونوں سورتوں میں انفاق اور بنی نوع انسان کے ساتھ ہمدردی وغم خواری پر زور دیا گیا ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ سورۂ واللیل میں عطاء وبخشش پر زیادہ ابھارا گیا ہے اور سورۂ والضحیٰ میں ان اخلاقی تعلیمات کے ساتھ نہایت لطیف اور پیارے انداز میں خدا سے تعلق استوار کرنے کی ساتھ ہی ہدایت کی گئی ہے[۲۳]۔ اس طرح گویا پہلی سورہ میں تمام تر زور انفاق پر ہے اور دوسری میں حقوق العباد کے ساتھ حقوق اللہ کا بھی بیان ہے۔ جو لوگ دین کی تعلیمات سے واقف ہیں وہ اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ دین پورا انہی دو تعلیمات کے گرد گھومتا ہے یعنی ایک طرف آدمی کا تعلق خدا سے مضبوط ہو، اس کی عبادت واطاعت اور شکر ونیاز مندی ہو اور دوسری طرف عام انسانوں کے ساتھ اس کے معاملات نہایت محبت اور اخوت کے ہوں۔ اس طرح انفاق اور تعلق باللہ کی اپنی اپنی اہمیتوں کے پیشِ نظر الگ الگ دو سورتیں نازل کی گئیں ورنہ حقیقت اور مفہوم کے اعتبار سے دونوں ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں۔

تیسرا نقطۂ نظر: تیسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیتوں اور اس کی سورتوں میں نہ صرف یہ کہ مناسبت پائی جاتی ہے بلکہ اس کی آیتیں اور سورتیں ایک ایسے جامع اور وسیع نظام کے تحت واقع ہیں جس نے اس کی ہر سورہ کو ایک حکیمانہ خطبہ بنا دیا ہے اور اس کی چند سورتوں کے مجموعہ کو مربوط ابواب کے قالب میں ڈھال دیا ہے اور اس طرح پورا قرآن مجید شروع سے آخر تک بلحاظ سورہ بھی اور بلحاظ آیت بھی ایک مرتب، مربوط اور منضبط کلام ہے اور اس کی تمام سورتیں اور سورتوں کی تمام آیتیں باہم دگر اس طرح پیوست ہیں کہ اگر اس میں سے کسی سورہ کو یا کسی آیت کو نکال دیا جائے یا کسی سورہ کی کسی آیت کو مقدم یا مؤخر کر دیا جائے تو اس کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔

نظم کلام سے متعلق یہ آخری نقطۂ نظر مولانا حمید الدین فراہیؒ اور جدید مفسرین میں ڈاکٹر عبداللہ دراز مرحوم کا ہے، مولانا فراہیؒ کی کتاب 'دلائل النظام' اس موضوع پر حرف آخر کی حیثیت رکھتی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولانا فراہیؒ کی بعض رائیں اور ضروری خیالات یہاں نقل کر دئے جائیں تاکہ اس نقطۂ نظر کو آسانی کے ساتھ سمجھا جاسکے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا نے مناسبت اور نظام میں جو فرق ہے اس پر اس طرح اظہار خیال فرمایا ہے:

"یوں تو آیتوں اور سورتوں میں ربط و تناسب کے موضوع پر بعض علما کی تصنیفات موجود ہیں مگر ان میں سے کسی نے نظم قرآن کے متعلق کوئی بحث کی ہو مجھے اس کا علم نہیں، حالانکہ ان دونوں میں کھلا ہوا فرق ہے۔ تناسب علم نظام کا جزو ہے، ان کے درمیان اگر تناسب معلوم بھی ہو جائے تو اس سے پورے کلام پر وہ روشنی نہیں پڑتی جو اسے معنوی وحدت کے رشتے ہیں پرو کر اس کو ایک مستقل کلام کی حیثیت دے سکے۔ تناسب کا طلبگار عموماً اس مناسبت کے کھوج لگانے کی زحمت نہیں اٹھاتا بلکہ مجرد مناسبت پر خواہ وہ کسی قسم کی ہو قناعت کر لیتا ہے، دوسرے رشتہ کو ہاتھ سے چھوڑ دینے کا اکثر یہ نتیجہ بھی ہوتا ہے کہ ہر آیت میں کھینچ تان کر ایک مناسبت پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور کوئی نہ کوئی مناسبت قائم بھی کر دیتا ہے حالانکہ سرے سے ان متجاور آیات میں کوئی تعلق ہوتا ہی نہیں بلکہ نظم کلام کے مطابق پاس والی آیت اس آیت سے متصل ہوتی ہے، جو اس کے قبل والی آیت سے بہت دور واقع ہوئی ہے، یہی وجہ ہے کہ امت کے بعض ذہین علما اس طرح کی آیتوں میں جب کوئی معقول اور مناسب تناسب نہ پا سکے تو انھوں نے تناسب ہی کا انکار کر دیا، اس میں شبہہ نہیں کہ اس طرح کی آیتیں قرآن میں بہت ہیں جو اپنے پاس والی آیتوں سے کوئی ربط و اتصال نہیں رکھتیں بلکہ ان میں کھلا ہوا اقتضاب پایا جاتا ہے اور عموماً اس طرح کی مشکلات سے انھیں مقامات پر سابقہ پیش آتا ہے جہاں کوئی آیت یا آیتوں کا کوئی مجموعہ اپنے پاس والی آیت سے بہت دور کسی آیت سے متعلق ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ علم نظام سے ہماری مراد یہ ہے کہ سورہ کی تاویل اس طرح کی جائے کہ پوری سورہ ایک کلام کے قالب میں ڈھل جائے اور وہ سورہ اپنی سابق و لاحق سورتوں سے جو باعتبار نظم اس سے دور پہلے یا پیچھے واقع ہوں، مربوط ہو جائے۔ جس طرح بعض آیتیں بطور جملہ معترضہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے آجاتے ہیں۔ اس طرح بعض سورتیں بھی بیچ میں بطور جملہ معترضہ کے آجاتی ہیں۔ اس نکتہ کو نگاہ میں رکھ کر قرآن پر غور کرو تو تمہیں سارا قرآن ایک منظم کلام کی شکل میں نظر آئے گا اور شروع سے آخر تک اس کے تمام اجزاء میں نہایت ہی محکم و مضبوط مناسبت و ترتیب معلوم ہوگی۔ اس تفصیل سے یہ واضح ہوگیا کہ علم نظام اجزاء کی ترتیب و مناسبت علم کے علاوہ ایک اور علم ہے جو اس سے کہیں زیادہ ارفع و اعلیٰ ہے۔[۲۴]

ایک دوسرے مقام پر مولانا نظم کے ضروری اجزاء کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"نظام سے ہماری مراد یہ ہے کہ سورتوں کے معانی کی تصویر اس طرح اپنی اصل سورتوں کے قالب میں ڈھل جائے کہ ہر سورہ کی ایک متعین اور شخصی شکل بن جائے، پس اس کے لیے ضروری ہے کہ ہر سورہ کے تمام معانی باہم دگر ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہوں اور ان سب کا ہدف کوئی ایک ہی موضوع یعنی عمود ہو اور ان کے اندر وحدانیت بھی پائی جاتی ہو۔ جب کسی کلام میں یہ اوصاف جمع ہو جاتے ہیں تو خود بخود ایک مشخص یعنی متعین شکل بن جاتی ہے اور اس شکل کے آئینے میں اس کلام کے حسن و جمال کے سارے خدوخال نظر آنے لگتے ہیں۔"[۲۵]

مولانا کی "وحدانیت" سے کیا مراد ہے؟ اس کی وضاحت خود ہی فرماتے ہیں:

"جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ صحیح نظام کے تحت جو کلام ہوگا اس میں عمود یعنی کسی مرکزی مضمون کا ہونا ضروری ہے جو اس پورے کلام کا مدار ہوگا، اس لیے نظام کے ایک طالب کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے وہ سورہ کے پھیلے ہوئے مضامین پر غور و تامل کر کے اس کے عمود یعنی مرکزی مضمون کو پکڑنے کی کوشش کرے، تاکہ وہ مرکز جس کی طرف اس سورہ کی ایک ایک آیت کا رخ ہے اس کی نگاہ میں آجائے، اس مرکز کے مل جانے کے بعد صاف نظر آنے لگے گا کہ سورہ کی تمام آیتیں ایک ہی ہار میں گندھی ہوئی ہیں، اور ان میں غایت درجہ کا اتحاد ہے۔ پس وحدانیت سے مراد سورہ کا وہ نظام ہے جو اس کے اندر عمود کو متعین کرتا ہے، اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی مختلف آیتوں میں ربط پیدا کر کے پوری سورہ کو وحدانیت کے قالب
میں ڈھال دیتا ہے۔

لیکن وحدانیت، مناسبت اور ترتیب کے لحاظ سے ہر کلام یکساں نہیں ہوتا بلکہ ممکن ہے کہ کسی کلام میں وحدانیت تو پائی جاتی ہو لیکن وہ تناسب و ترتیب کے لحاظ سے بالکل خالی ہو، مثلاً آپ نصائح کی کتاب لکھیں اور اس میں وہ تمام اقوال جو دین سے، اخلاق سے معاشرت سے، سیاست سے متعلق ہوں، ان سب کو بغیر کسی ترتیب کے جمع کر کے رکھ دیں تو اگرچہ اس کتاب میں کوئی موزوں ترتیب تو نہ ہوگی لیکن اسے وحدانیت سے خواہ وہ کتنی ہی کمزور کیوں نہ ہو، خالی بھی نہیں کہا جائے گا، اس لیے کہ اس کا تعلق نصائح سے ہے اور یہ ایک بات اس کتاب کی شخصیت کو ممیز کرنے کے لیے کافی ہے چاہے اس میں کسی قسم کی مناسبت اور ترتیب نہ ہو۔

ہاں اگر آپ اسی کتاب کو مختلف ابواب میں تقسیم کر کے ہر باب کے نیچے صرف انہی اقوال کو جمع کر دیں جو اس باب سے متعلق ہوں تو آپ کی یہ کتاب متناسب الاجزاء تو ہو جائے گی لیکن اس کی وحدانیت پھر بھی کمزور رہے گی، اس کی ایک شکل اور ہے، وہ یہ ہے کہ تمام ابواب کے نصائح تو الگ الگ ایک جامع قصہ کے پیرائے میں اس طرح لکھیں کہ وہ اپنے باب کی ساری باتوں کو اپنے اندر لے لے، ایسی صورت میں ہر باب کے اندر اگرچہ ایک نہایت عمدہ وحدانیت پیدا ہو جائے گی لیکن پوری کتاب کی وحدانیت پھر بھی کمزور رہے گی، لیکن اگر اس کتاب کے ابواب کو مرتب کرنے میں ایک باب سے دوسرے باب کی مناسبت کا پورا لحاظ رکھا جائے اور مکمل کتاب اس انداز پر ترتیب دی جائے تو اگرچہ ہر باب کے تحت اپنے موضوع کے اعتبار سے ایک تناسب کے ساتھ ہی ہی طرح کی باتیں ہوں گی لیکن بایں ہمہ پوری کتاب اپنے نظم کے اعتبار سے کامل اور مکمل ہوگی۔"[۵۲]

عمود یعنی مرکزی مضمون کے متعلق مولانا کا خیال یہ ہے کہ:

"اگر کسی نے کسی سورہ کا عمود معلوم کر لیا تو اس کو اس سورہ کے نظام کو سمجھنے میں کوئی دقت نہ ہوگی۔ عمود کا علم دراصل نظم کے مخفیہ خزانے کی کلید ہے، لیکن ان کا حصول کچھ آسان نہیں ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ خود سورہ کے مضامین پر بار بار غور کیا جائے اور اس کے علاوہ آس پاس کی سورتوں کا بھی اور ان سورتوں کا بھی جو زیر غور سورہ سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

متماثل ہوں پوری دقت نظر کے ساتھ مطالعہ کیا جائے اور ان کے مطالب پر بار بار نگاہ ڈالی جائے، اس اہتمام کے بغیر کسی سورہ کا عمود معلوم کرنا نہایت دشوار ہے، عمود کی روشنی جب مل جاتی ہے تو اس سے پوری سورہ جگمگا اٹھتی ہے اور سورہ کی ہر آیت انگوٹھی کے نگینے کی طرح اپنی اپنی جگہ پر جڑ جاتی ہے اس کے بعد پوری سورہ کا حسین نظام اس طرح نگاہوں کے سامنے بے نقاب ہو جاتا ہے کہ کسی آیت کی کمزور تاویل کے لیے کوئی گنجائش سرے سے باقی ہی نہیں رہتی، عمود سورہ نظم کلام اور ربط آیات کی روشنی میں، صرف اسی تاویل کو قبول کر سکتا ہے جو سیاق و سباق کے لحاظ سے ارجح اور افضل ہو۔"[۲۷]

مناسب ہوگا کہ ڈاکٹر عبداللہ دراز کے خیالات بھی مختصر طور پر بیان کر دیے جائیں مصنف مرحوم نے یہ خیالات اپنی کتاب "النبا العظیم" میں تحریر کیے ہیں، بڑی تقطیع پر ۲۱۵ صفحات پر مشتمل یہ کتاب مکتبۃ السعادۃ مصر سے ۱۹۶۰ء میں شائع ہوئی ہے، نظم کلام کے سلسلے میں مصنف کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ:

"قرآن کے ایک ایک جزو میں ربط و تعلق تلاش کرنے سے پہلے پوری سورہ پر محکم نظر ڈالی جائے جس میں اس کے تمام اجزاء و مقاصد کی اس طرح تعیین ہو جائے کہ جس سے تمام تفصیلات آسانی سے سمجھ میں آسکیں، آئمہ تفسیر نے بہت پہلے کہا تھا کہ "کسی سورہ کے مسائل کتنے ہی تعداد میں زیادہ ہوں وہ وحدت میں منسلک ہوتے ہیں، جن کا آخری حصہ پہلے حصہ سے متعلق ہوتا ہے، اور اول سے آخر تک یہ سب ایک ہی مقصد و مضمون کی طرف رہنمائی کرتے ہیں جس طرح مختلف جملے ایک مسئلہ میں ایک دوسرے سے پیوست ہوتے ہیں، چنانچہ نظم کلام کا طالب پوری سورہ پر نظر ڈالنے سے بے نیاز نہیں ہو سکتا جس طرح کسی مسئلہ کے اجزاء میں اس سے بے نیازی نہیں برتی جا سکتی۔"[۲۸]

موصوف کے خیال میں:

"آیات کے درمیان مناسبت تلاش کرنے والے علماء سے غلطی یہ سرزد ہوئی ہے کہ انھوں نے سورہ کے مجموعی نظام سے صرف نظر کر کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قریبی دو مسائل یا متعدد متجاور مسائل میں ربط و تعلق ڈھونڈنے کی کوشش کی، اس طریقۂ کار سے نظم کا جمال ظاہر ہے کہ مکمل شکل میں جلوہ گر نہیں ہو سکتا، موصوف نے ان علماء کی مثال اس آدمی سے دی ہے جو خوبصورت منقش چادر کو ہاتھ میں لے کر اس کے ایک ایک دھاگے اور نقش کو الگ الگ کر کے دیکھتا ہے، ظاہر ہے کہ اسے ان مختلف رنگوں کی دھاریوں اور نقوش میں اس طرح کوئی حسن اور کشش نظر نہیں آسکتی لیکن اگر وہ چادر پر مکمل نظر ڈالے اور دور سے اس کا مشاہدہ کرے تو اس کے حسن و جمال سے اس کی آنکھیں خیرہ ہو جائیں گی۔ قرآنی سورتوں میں نظم و ترتیب کے طالب کو اس طرح اس پر تدبر کرنا چاہیے"۔[۲۹]

"لیکن اس مناسبت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سورہ کے اجزاء میں مکمل اتحاد، مشابہت یا کلی تداخل ہو جیسا کہ بعض علماء مناسبت نے کیا ہے، چنانچہ ایک فریق نے اس قسم کی مناسبت کی کوشش میں تکلفات و تصنعات کی روش اختیار کر لی اور ایک دوسرے فریق کو جب یہ تعلق نظر نہ آیا تو اس نے فوراً کہہ دیا کہ اس جگہ محض اقتضاب[۳۰] ہے جیسا کہ اہل عرب کی عادت تھی"۔[۳۱]

پھر مرحوم نے اپنے ان اصولوں کی روشنی میں سورۂ بقرہ کی تفسیر اور اس کا ربط بتایا ہے اسے مصنف نے ایک مقدمہ، چار مقاصد اور ایک خاتمہ میں تقسیم کیا ہے۔

مقدمہ (۱-۲۰) قرآن کی تعریف و توصیف کے بارے میں ہے اور یہ وضاحت کی گئی ہے کہ اس میں قلب سلیم رکھنے والوں کے لیے ہدایت ہے، اس پر اعتراض وہی کر سکتا ہے جس کے پاس قلب سلیم نہ ہو یا جو مرض حسد کا شکار ہو۔

پہلا مقصد (۲۱-۲۵) دعوت دین پر مشتمل ہے جس میں تمام انسانوں کو بندگیٔ رب اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے پھر ۲۶ سے ۳۹ تک عود علی البدء کے اسلوب پر قرآن کی خصوصیت دوبارہ بتائی گئی ہے کہ یہ کتاب ہدایت ہے۔

دوسرا مقصد (۴۰-۱۶۲) ایک سو تئیس آیات پر مشتمل ہے جس میں اہل کتاب کو دعوت حق قبول کرنے پر ابھارا گیا ہے، پھر آیات (۱۶۳-۱۷۷) میں دین اسلام کے احکام و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قوانین تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں اور چوتھے مقصد میں آیت ۲۸۲ میں وہ دینی محرک بیان کیا گیا جو ان عبادات واحکام کی بجا آوری پر اکساتا ہے اور آخر میں خاتمہ ہیں (۲۸۶ - ۲۸۵) میں ان لوگوں کی صفات بیان کی گئی ہیں جو ان مقاصد پر مشتمل دعوت دین کی پکار پر لبیک کہتے ہیں۔ اس طرح پوری سورہ میں "کثرت میں وحدت" کی شان نظر آتی ہے[۳۲]

موصوف کا مطالعہ کہتا ہے کہ قرآن میں کوئی کلمہ یا حرف زائد نہیں ہے، وہ قاری کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ:

> "اس شخص کو چھوڑ دیجئے جو یہ کہتا ہو کہ قرآن میں کوئی کلمہ مُقحم یا معنی کے اعتبار سے زائد ہے، اسی طرح ان لوگوں کو بھی نظر انداز کر دیجئے جو کلمہ تاکید کا بڑی آسانی سے استعمال کر لیتے ہیں، اور جہاں انھیں کوئی حرف زائد نظر آنے لگتا ہے فوراً یہ کہہ بیٹھتے ہیں کہ یہ تاکید کے لیے ہے، اس کی پروا نہیں کہ وہ زائد لفظ زائد مفہوم دے رہا ہے اور تاکید کا فائدہ پہونچا رہا ہے یا نہیں اور اس طرف توجہ دینے کی بھی ضرورت نہیں کہ وہاں تاکید کی ضرورت ہے بھی یا نہیں، ان سب چیزوں کو نظر انداز کر دیجئے کیونکہ یہ سب محض جہالت اور ناواقفیت کی پیداوار ہیں، آپ خود قرآن کے معانی پر غور کیجئے اور جہاں کہیں کوئی حرف یا کلمہ یا اس کی حکمت سمجھ میں نہ آئے تو جلدی نہ مچائیے بلکہ خدا سے توفیق مزید کی دعا کیجئے اور کوہ کنی میں لگے رہیے، مایوس ہو کر بیٹھ نہ جائیے، یہ نہ سوچئے کہ جب بڑے بڑوں نے حل نہ کیا تو مجھ ہیچمدان سے کیا ہو سکتا ہے، کیونکہ یہ عین ممکن ہے کہ آپ پر اللہ تعالیٰ اپنے کلام کا وہ راز کھول دے جو بڑے بڑے لوگوں پر بھی نہ کھل سکا[۳۳]

یہ ہے نظم قرآن کے سلسلے میں علامہ فراہیؒ اور ڈاکٹر عبداللہ دراز مرحوم کے خیالات ان سے ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ ربط و نظام کے سلسلے میں جو خیالات قدماء کے یہاں موجود تھے انھیں ان لوگوں نے اپنی جگر کاوی اور محنت شاقہ سے مدلل اور مبرہن کر دیا ہے۔

تعلیقات وحواشی

۱۔ مولانا امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن جلد اول کا مقدمہ، نیز عفیف عبدالفتاح طبارہ، روح الدین ص ۲۳۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۲ مولانا مودودیؒ: تفہیم القرآن جلد اول : ۲۷

۴۳ نعیم صدیقی، سیارہ ڈائجسٹ لاہور، قرآن نمبر جلد اول ص ۲۵۱ - ۲۶۱

۴۴ مقدمہ تفسیر نظام القرآن از حمید الدین فراہیؒ - تفصیل سے دیکھیں۔

۴۵ سیوطی: الاتقان فی علوم القرآن ج ۲ ص ۱۲۴ طبع ۱۲۷۹ھ مصر۔

۴۶ شوکانی، فتح القدیر جلد اول ص ۷۲۔

۴۷ الاتقان جلد دوم ص ۱۲۷ ۴۸ حوالہ بالا

۴۹ فخر الدین رازیؒ، مفاتیح الغیب، الجزء السابع ص ۳۶۵

۵۰ الاتقان ج ۲ ص ۱۲۴

۵۱ مخدوم مہائمیؒ، تبصیر الرحمان وتیسیر المنان جلد اول ص : ۳

۵۲ الاتقان جلد دوم ص ۱۲۴

۵۳ یہ تفسیر سات حصوں میں ہے۔ دائرۃ المعارف حیدرآباد نے شائع کی ہے۔

۵۴ اس کتاب کا تذکرہ سیوطی نے اتقان میں کیا ہے ملاحظہ ہو جلد دوم ص ۱۲۴

۵۵ شیخ لاہوری کے حالات زندگی کے لیے دیکھئے: عبدالحیؒ لکھنوی، نزہۃ الخواطر وبہجۃ المسامع والمناظر جلد پنجم ص ۱۲۴۔

۵۶ اشرف علی تھانویؒ: تفسیر بیان القرآن مطبوعہ تاج کمپنی لاہور جلد اول ص ۹۴

۵۷ فخر الدین رازی، تفسیر کبیر جلد دوم ص ۱۸۱ مطبوعہ ۱۳۰۸ھ۔

۵۸ بیان القرآن جلد اول ص ۷۹

۵۹ یہی وجہ ہے کہ سید قطب شہید جیسے عظیم مفکر اور مفسر بھی اس آیت کا موقع ومحل نہ سمجھ سکے اور یہاں پہونچ کر انھیں اس امر کا اعتراف کرنا پڑا کہ میں چھ مہینے تک اس آیت پر غور کرتا رہا کہ یہ آیت نماز احکام کے درمیان کیسے آگئی۔ مجھے توقع تھی کہ اس وقفہ میں اللہ تعالیٰ مجھ پر حقیقت کھول دے گا مگر مجھے کامیابی نہ ہوئی۔ تفسیر کی کتابوں میں یہ نکتہ جو بیان ہوا ہے کہ احکام کے درمیان نماز کا تذکرہ اس کی اہمیت بتانے کے لیے ہوا ہے اس سے میرا ضمیر مطمئن نہ ہو سکا اگر مجھ پر کوئی نکتہ عیاں ہوا تو اگلے ایڈیشن میں اس کا اضافہ کردوں گا یا کوئی صاحب میری رہنمائی فرمائیں تو میں ان کا شکرگزار رہوں گا" (فی ظلال القرآن ۲/۸۴)

۶۰ اس طرح کی آیات تبیین قرآن پاک میں بہت ہیں۔ وہ یا تو جن آیتوں کی تبیین کرتی ہیں۔ انھیں کے پہلو میں رکھدی جاتی ہیں یا خاتمہ کے بعد ان کو رکھدیا جاتا ہے جو تکملہ اور ضمیمہ کا کام دیتی ہیں۔ مثال کے طور پر سورہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انفال آیت ۶۵ میں فرمایا گیا ہے کہ ایک مومن دس کافروں پر بھاری ہے اور بیس صابر ہوں تو دو سو کافروں کا ناطقہ بند کردیں اور سو ہوں تو ہزار آدمیوں پر غالب رہیں گے لیکن مًا بعد آیت ۶۶ میں اس میں تخفیف کردی گئی اور فرمایا گیا کہ چونکہ ابھی تم لوگوں کی اخلاقی تربیت مکمل نہیں ہوئی ہے اس لیے سردست بر سبیل تنزل تم سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ اپنے سے دوگنی طاقت سے ٹکرانے میں تمہیں کوئی ہچکچاہٹ نہ ہونی چاہیے۔

اسی طرح سورہ مزمل میں ابتدا میں یہ حکم دیا گیا کہ رات میں آدھی یا اس سے کچھ کم یا اس سے کچھ زیادہ قیام کیا کرو اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو لیکن آخری آیت بطور تبیین و تخفیف نازل ہوئی اور فرمایا گیا کہ خدا کو معلوم ہے کہ تم میں سے کچھ مریض رہتے ہیں کچھ فضل الٰہی کی تلاش میں سفر کرتے ہیں اور کچھ لوگ راہ خدا میں جہاد کرتے ہیں اس لیے جتنا قرآن بآسانی پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو (۲۰) اس طرح قرأت قرآن اور صلوٰۃ دونوں میں تخفیف ہوگئی۔

سورہ بقرہ کی زیر بحث آیات خاتمہ (۲۳۸ - ۲۳۹) کے بعد بھی پچھلے احکام کی تبیین و توضیح کی گئی ہے مثال کے طور پر آیت ۲۳۴ میں یہ حکم دیا گیا تھا کہ بیویوں کی عدت وفات چار ماہ دس دن ہے اس مدت کے اختتام کے بعد وہ اگر اپنے سلسلے میں معروف قاعدہ کے مطابق کوئی کارروائی کریں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اس کے بعد آیت ۲۴۰ میں اس حکم میں وسعت پیدا کردی گئی کہ ایک بیوہ کی عدت اگرچہ چار ماہ دس دن ہی ہے لیکن شوہر کو چاہیے کہ مرنے سے پہلے اپنی ہونے والی بیوہ کے لیے یہ وصیت کر جائے کہ اس کو اس کے گھر سے ایک سال تک فائدہ اٹھانے کی آزادی حاصل رہے گی اگر وہ خود اس مدت کے بعد نہ رہنا چاہے تو کوئی بات نہیں ہے۔ یہی حال دوسری آیت ۲۴۱ کا بھی ہے۔ اس سے پہلے آیت ۲۳۶ میں ان مطلقہ عورتوں کا حکم بیان ہوا تھا جنھیں ان کے شوہروں نے ہاتھ نہ لگایا ہو اور نہ ان کے لیے کچھ مہر مقرر کیا ہو کہ مہر کا مواخذہ نہ ہوگا البتہ انھیں کچھ نہ کچھ دینا ضرور چاہیے خوشحال آدمی اپنی حیثیت کے مطابق اور غریب اپنی حیثیت کے مطابق معروف طریقہ سے دے۔ فقہائے حنفیہ کے نزدیک اس کچھ سے مراد ایک جوڑا کپڑا ہے۔

اس صورت میں نصف مہر کی ادائیگی کو واجب قرار دیا اور آپس میں احسان کرنے کی تلقین کی لیکن متاع معروف سے سلوک کرنے کی یہاں کوئی تفصیل نہیں تھی ان دوسری قسم کی عورتوں کو اس معروف فائدہ سے اس کی آیت تبیین میں نوازا گیا اور فرمایا گیا کہ "اور جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو انھیں بھی مناسب طور پر کچھ نہ کچھ دے کر رخصت کیا جائے یہ حق ہے متقی لوگوں پر (۲۴۱) یہاں مطلقات کا لفظ عام ہے جس میں دونوں ہی قسم کی مطلقہ عورتیں شامل ہوگئیں اور متاع معروف کا حکم ہر قسم کی مطلقات کے لیے بطور حق واجب عام ہوگیا

(تفصیل کے لیے دیکھئے اسلام اور عصر جدید جولائی ۱۹۷۹ء قرآن مجید میں نظم و ترتیب کی نوعیت اور اہمیت از محمد راشد اصلاحی)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۱؎ یہ تفسیر پانچ ضخیم جلدوں میں سید تقی صاحب مرحوم لکھنؤ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ ڈاکٹر زبید احمد نے اپنی تصنیف کنٹری بیوشن آف انڈیا ٹو تفسیر لٹریچر میں اسے لاپتہ قرار دیا ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، شروع کی تین جلدیں ذرا بوسیدہ ہیں چوتھی اور پانچویں جلدیں مضبوط ہیں۔ یہ تفسیر تقریباً پانچ ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اس کتاب میں جن خاص امور کو مصنف نے پیش نظر رکھا ہے وہ انھیں کے الفاظ میں یہ ہیں "اس کتاب میں وجوہ نظم قرآن، قرأت عشرہ، انواع وقوف و فواصل آیات کا ذکر کروں گا نیز علمائے راسخین حکماء اور صاحب کشف عارفین نے جو معانی و مطالب بیان کیے ہیں انھیں بتاؤں گا، جملوں کے ربط اور آیتوں اور سورتوں کے درمیان جو مناسبت ہے اسے واضح کروں گا، انبیاء علیہم السلام کے قصص، اقوام و ملل کے واقعات، اسباب نزول اور ناسخ و منسوخ کو بیان کروں گا اور یہ بتاؤں گا کہ سورتیں جن آیات پر ختم کی گئی ہیں ان کی وجہ کیا ہے۔" (دیکھئے محمد سالم قدوائی... ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں۔ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، دہلی ۱۹۷۳ء ص ۵۴)

۲۲؎ قدوائی۔ ہندوستانی مفسرین ص: ۵۸

۲۳؎ علامہ آلوسی ان آیات کی تشریح میں کہتے ہیں کہ اے محمدؐ تم یتیم، سرگشتہ و حیران اور محتاج تھے اللہ نے تمہیں ٹھکانا دیا، ہدایت سے نوازا اور غنی کیا اس لیے ان تینوں نعمتوں میں خدا کو نہ بھولو یعنی یتیم پر شفقت کرو، سائل پر رحم کھاؤ کیونکہ یتیمی اور فقر کا مزہ تم چکھ چکے ہو اور بندوں کی راہ راست کی طرف رہنمائی کرو جس طرح اللہ نے تمہاری رہنمائی فرمائی (صفوۃ التفاسیر ۳/۲۰ ۷ بحوالہ تفسیر آلوسی ۳۰/۱۶۴)

علامہ فراہیؒ اس آیت سے متعلق کہتے ہیں کہ ہم خوب نماز پڑھیں کیونکہ نماز سراپا شکر ہے اور علم و دین کی اشاعت میں لگے رہیں کیونکہ یہ وہ نعمت ہے جو اللہ نے ہمیں دی ہے اور قرآن کی تعلیم اس نعمت کی تحدیث ہے جو آیت میں مذکور ہے (دلائل النظام ص ۱۱۶)

۲۴؎ دلائل النظام۔ دائرہ حمیدیہ سرائے میر اعظم گڑھ ۱۳۸۸ھ، الفرق بین المناسبۃ والنظام ص ۷۴

۲۵؎ محولہ بالا ص ۷۵

۲۷؎ محولہ بالا ص ۷۷

۲۹؎ محولہ بالا ص: ۱۵۵

۲۶؎ محولہ بالا ص ۷۷-۷۶

۲۸؎ النبا العظیم ص: ۱۵۵

۳۰؎ بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ قرآن پورا کا پورا اقتضاب (فی البدیہ کلام کرنا) پر مشتمل ہے چنانچہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علامہ سیوطی نے مناسبت اور ترتیب کی بحث میں ابوالعلاء محمد بن غانم سے نقل کیا ہے کہ "قرآن کا ورود اقتضاب کی نوع پر ہوا ہے جو ایک غیر مناسب امر کی طرف انتقال کرنے کی قبیل سے اہل عرب کا طریقہ ہے۔" (الاتقان ج ۲ ص ۱۰۹) اسی طرح شیخ عزالدین بن عبدالسلام کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ "مناسبت ایک عمدہ علم ہے مگر ارتباط کلام کے ضمن میں یہ شرط ہے کہ وہ کسی ایسے کلام کے پیچھے واقع ہو جو کہ متحد ہو اور اس کا اول اس کے آخر کے ساتھ ربط رکھتا ہو لہٰذا اگر کلام کا وقوع مختلف اسباب پر ہوگا تو اس میں یہ ارتباط کبھی نہ ہوگا اور جو شخص ایسے کلام کو ربط دے گا وہ خواہ مخواہ ایک انہونی بات کرنے کی تکلیف گوارا کرے گا اور رکیک طریقہ کی پیروی کرے گا جس سے معمولی سی خوبی کی بات کو محفوظ رکھنا بھی ضروری ہے چہ جائیکہ بہترین کلام کی حفاظت اور قرآن کریم کا نزول جو کہ بیس سال سے کچھ زیادہ عرصہ میں ہوا اور مختلف اسباب کی بناء پر مختلف اوقات میں مختلف احکام کے لیے نازل ہوا تھا اور اس طرح کا کلام کبھی باہم مربوط نہیں کیا جا سکتا۔" (ص: ۱۰۸) پھر امام سیوطی نے مثالوں کے ذریعہ ان خیالات کی تردید کی ہے (دیکھئے: الاتقان ص ۱۱۰-۱۰۹)

۳۱؎ النباء العظیم ص ۱۵۵

۳۲؎ محولہ بالا ص ۱۲۱-۱۰۹

۳۳؎ محولہ بالا ص ۱۲۶

مولانا سید جلال الدین عمری کی ایک اہم تصنیف

اسلام میں خدمت خلق کا تصور

خدمت خلق کا صحیح تصور۔ غلط تصورات کی تردید۔ خدمت خلق کا اجر و ثواب۔ خدمت کے مستحقین۔ وقتی خدمات۔ رفاہی خدمات۔ خدمت کے لیے انفرادی و اجتماعی جدوجہد۔ موجودہ دور میں خدمت کے تقاضے اور ان پر عمل کی شکلیں۔ مصنف کے جاندار قلم نے ان تمام گوشوں کو نکھار دیا ہے۔ صفحات: ۱۷۶ قیمت: ۴۰/روپیے

وقت کے اہم موضوع پر اس پہلی مستند کتاب کا انگریزی ترجمہ THE CONCEPT OF SOCIAL SERVICE IN ISLAM کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے۔

صفحات: ۱۶۵ قیمت: ۵۰ روپیے

ملنے کا پتہ: مکتبہ تحقیق و تصنیف اسلامی۔ پان والی کوٹھی، دودھ پور، علی گڑھ

© rasailojaraid.com